باب 9

آئین بحیثیت ایک زندہ دستاویز

تمہید

اس باب میں آپ دیکھیں گے کہ گذشتہ پچپن سال میں آئین نے کیسے کام کیا ہے اور کیسے ہندوستان پر اُس آئین کے ذریعہ حکمرانی قائم رہ سکی ہے۔ اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ :

- آئین ہند میں وقت کی ضرورتوں کے مطابق ترمیم کی جا سکتی ہے۔
- اگرچہ ایسی بہت سی ترمیمات پہلے ہی ہوچکی ہیں پھر بھی آئین ہند مستحکم رہا ہے اور اس کی بنیادیں نہیں بدلی ہیں۔
- آئین کی حفاظت اور اس تشریح میں عدلیہ نے ایک اہم رول ادا کیا ہے اور
- آئین وہ دستاویز ہے جو بدلتے حالات کے مطابق خود کو ڈھالتا اور فروغ دیتا ہے۔

کیا آئین جامد ہوتے ہیں؟

بدلتے ہوئے حالات یا سیاسی اتھل پتھل کی وجہ سے یا معاشرہ میں خیالات کی تبدیلی کی وجہ سے ردّعمل کے طور پر قوموں کے لیے اپنا آئین دوبارہ تحریر کرنا عام ہے۔ اپنی 74 سالہ زندگی میں سوویت یونین کے چار آئین ہوئے (1918، 1924، 1936 اور 1977)۔

1991 میں، سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کا دورِ حکومت ختم ہوگیا اور جلد ہی وفاق منتشر ہوگیا۔ اس سیاسی اتھل پتھل کے بعد نئے تشکیل شدہ روسی وفاق نے 1993 میں اپنا ایک نیا آئین اپنایا۔

لیکن ہندوستان کو دیکھئے۔ آئین ہند 26 نومبر 1949 کو اختیار کیا گیا۔ اس کا باقاعدہ نفاذ 26 جنوری 1950 سے شروع ہوا۔ تقریباً پچپن سال کے بعد بھی وہی آئین لگاتار کام کر رہا ہے، اُسی خاکہ میں جس میں ہماری حکومت کام کرتی ہے۔

کیا ہمارا آئین اتنا اچھا ہے کہ اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں؟ کیا ہمارے آئین ساز اس قدر دوراندیش اور دانش مند تھے کہ وہ مستقبل میں ہونے والی تبدیلیوں کی پیش بینی کر سکتے تھے؟ کچھ حد تک دونوں جواب درست ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمیں ایک بہت طاقت ور آئین وراثت میں ملا ہے۔ آئین کا بنیادی ڈھانچہ ہمارے ملک کے تئیں بہت مناسب

گزشتہ دو صدیوں میں فرانس کے متعدد آئین ہوئے۔ انقلاب کے بعد اور پنولین کے زمانے میں آئین کے متعلق فرانس بہت سے تجربوں سے گزرا۔ انقلاب کے بعد 1793 کا آئین اولین فرانسیسی ری پبلک کا دور کہا جاتا ہے۔ پھر دوسرے فرانسیسی ری پبلک کا دور 1848 میں شروع ہوا۔ تیسری فرانسیسی ری پبلک ایک نئے آئین کے ساتھ 1875 میں بنائی گئی۔ 1946 میں ایک نئے آئین کے ساتھ چوتھی فرانسیسی ری پبلک وجود میں آئی۔ آخرکار 1958 میں پانچویں فرانسیسی ری پبلک ایک نئے آئین کے ساتھ بنی۔

مجھے لگتا ہے کہ آئینی تبدیلیوں کا سیاسی ترقی سے گہرا تعلق ہے۔

ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ آئین ساز بہت دوراندیش تھے اور مستقبل کے حالات کے بہت سے حل پہلے ہی مہیا کرادیے۔ لیکن کوئی بھی آئین تمام امکانات کے لیے حل مہیا کرا سکے، ایسی کوئی دستاویز نہیں ہوسکتی جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہو۔

تب کیسے وہی آئین ملک کی ضرورت پوری کرتا رہا؟ ایسے سوالات کے جوابات میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارا آئین معاشرے کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق تبدیلیوں کی ضرورت کو قبول کرتا ہے۔ دوسرے آئین کی عملی کارکردگی میں تشریحات کی کافی لچک موجود ہے۔ آئین کی تعمیل میں سیاسی عمل اور عدالتی فیصلوں دونوں نے ہی پختگی اور لچک کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہی عناصر نے ہمارے آئین کو ایک بند اور جامد اصولوں کی کتاب کے بجائے ایک زندہ جاوید دستاویز بنایا ہے۔

کسی بھی معاشرہ میں آئین کی دستاویز تیار کرنے والوں کے سامنے ایک مشکل ضرور ہوتی ہے: آئین سازی کے وقت جو مسائل معاشرہ کے سامنے ہیں ان کا حل نکالنے کے لیے کوششوں کا عکس اس آئین کی دفعات میں نظر آتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آئین ایک ایسی دستاویز ہونی چاہئے جو مستقبل کے لیے بھی حکومت کا ڈھانچہ مہیا کرے۔ لہٰذا آئین اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ مستقبل میں پیش آنے والی مشکلات کا حل پیش کرسکے۔ اس معنی میں آئین میں ایسا ضرور کچھ ہوگا جو جدید ہو اور ایسا جس کی دیرپا اہمیت ہو۔

اسی طرح کوئی بھی آئین ایک جامد اور ناقابل تبدیل دستاویز نہیں ہوتا۔ اس دستاویز کو انسان بناتے ہیں، اس میں نظرثانی، تبدیلی اور دوبارہ جانچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ کوئی آئین، متعلقہ معاشرہ کے خوابوں اور خواہشات کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ آئین معاشرہ کی جمہوری حکمرانی کا خاکہ ہوتا ہے۔ اس معنی میں یہ ایک آلہ ہے جس کو معاشرہ اپنے لئے تخلیق کرتا ہے۔

آئین کا یہ دوہرا کردار ہمیشہ خود آئین کے رتبہ کے بارے میں مشکل سوالات کو جنم دیتا ہے: کیا یہ اتنا مقدس ہے کہ کوئی اس میں کبھی تبدیلی نہیں لاسکتا؟ ایک متبادل کے طور پر کیا یہ اتنا غیر اہم آلہ ہے جس کو کسی بھی عام قانون کی طرح تبدیل کیا جاسکتا ہے؟

مجھے معلوم ہے کہ امریکی آئین 200 سال پہلے بنایا گیا تھا اور اب تک اس میں صرف 27 دفعہ ترمیم ہوئی ہے۔ کیا یہ بہت دل چسپ نہیں ہے۔

آئین ہند کے مرتبین اس مسئلہ سے واقف تھے اور وہ توازن قائم کرنا چاہتے تھے۔انہوں نے آئین کو عام قانون سے بالاتر رکھا اور وہ مستقبل کی نسلوں سے اس آئین کے احترام کی توقع رکھتے تھے۔اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے تسلیم کیا کہ مستقبل میں اس دستاویز میں تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی۔ یہاں تک کہ آئین تحریر کئے جانے کے وقت بھی وہ واقف تھے کہ بہت سے معاملات میں اختلاف رائے تھی۔ جب کبھی معاشرہ کسی خاص رائے کی جانب رُخ بدلے گا آئینی دفعات میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔لہٰذا آئین ہند مندرجہ بالا دونوں نظریات کا امتزاج ہے یعنی یہ ایک مقدس دستاویز ہے اور یہ ایک ایسا آلہ بھی ہے جس میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں بھی ہوسکتی ہیں۔دوسرے الفاظ میں ہمارا آئین ایک ساکن وجامد دستاویز نہیں ہے، یہ ہر چیز کے بارے میں آخری حرف نہیں ہے، یہ ناقابل تبدیل نہیں ہے۔

اپنی معلومات چیک کیجیے

- درج بالا حصہ کو پڑھنے کے بعد کلاس میں کئی طلبا شش و پنج میں ہوں گے۔ انہوں نے درج ذیل نکتے اٹھائے۔ان میں سے ہر ایک کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟
- آئین کسی بھی عام قانون کی مانند ہے۔یہ سادہ سہل الفاظ میں ہم کو بتاتا ہے کہ حکومت پر گرفت رکھنے کے کون سے قاعدے قانون ہیں۔
- آئین عوام کی خواہشات کا آئینہ ہے اس لیے ہر دس یا پندرہ سال بعد اس میں تبدیلی لانے کے لیے ایک دفعہ شامل ہونی چاہئے۔
- آئین ملک کے فلسفہ کا بیان ہے۔اس کو کبھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔
- آئین ایک مقدس دستاویز ہے۔ اس میں تبدیلی کے متعلق سوچنا بھی جمہوریت کے خلاف ہوگا۔

آئین میں کیسے ترمیم کی جائے؟

دفعہ 368 : پارلیمنٹ اس آرٹیکل میں مذکورہ طریق کار کے مطابق،

اصولِ مجلسی : Principle of Collegiality

اس آئین کی کسی دفعہ کے اضافہ، حذف یا تبدیلی کے ذریعے آئین میں ترمیم کرسکتی ہے۔

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ ہمارے آئین ساز ایک توازن قائم رکھنا چاہتے تھے۔ آئین اسی وقت ترمیم کی جائے جب ایسی ضرورت ہو۔ لیکن اس کو غیر ضروری اور لگاتار تبدیلیوں سے محفوظ رکھا جائے۔ دیگر الفاظ میں وہ چاہتے تھے کہ آئین ''لچک دار'' ہونے کے ساتھ ساتھ ''جامد'' بھی ہو۔ لچک دار کے معنی ہیں: تبدیلیوں کے لیے کھلا رہنا۔ جامد کے معنی ہیں: تبدیلیوں کے لیے مزاحمت کرنا۔ جس آئین کو آسانی سے تبدیل کردیا جائے یا ڈھال دیا جائے، لچک دار کہلاتا ہے۔ جو آئین مشکل طریقہ سے تبدیل کیے جائیں جامد آئین کہلاتے ہیں۔ آئین ہند میں یہ دونوں خصوصیات ملی ہوئی ہیں۔

آئین ساز اس حقیقت سے واقف تھے کہ آئین میں بعض غلطیاں یا خامیاں ہوسکتی ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ کوئی بھی آئین غلطیوں سے پاک نہیں ہوسکتا۔ جب بھی ایسی غلطیاں نظر میں آئیں وہ آسانی سے ان کو دور کرسکیں اور ان غلطیوں سے نجات پاسکیں۔ آئین میں کچھ ایسی دفعات موجود تھیں جو عارضی نوعیت کی تھیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ جب آئین کے مطابق پارلیمنٹ کی تشکیل ہوجائے تو بعد میں ان کو تبدیل کردیا جائے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آئین ایک وفاقی مملکت کی تشکیل کررہا تھا۔ لہٰذا ریاستوں کے حقوق واختیارات کو ریاستوں کی رائے کے بغیر تبدیل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بعض اور پہلو جو آئین کی روح کے اتنے قریب تر تھے کہ آئین ساز تبدیلیوں سے ان کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ ان دفعات کو جامد بنایا جاتا تھا۔ انہی کی وجہ سے آئین میں ترمیم کے مختلف طریقے ایجاد کیے گئے۔

میں سمجھا نہیں کہ کوئی آئین لچک دار ہوسکتا ہے اور جامد بھی۔ کیا یہ اس زمانہ کی سیاست نہیں ہے جس نے آئین کو لچک دار یا جامد بنایا۔

آئین کو کیسے ترمیم کیا جائے

خصوصی اکثریت نصف ریاستوں کی مجالس قانون ساز: دفعہ 368	پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں خصوصی اکثریت: جیسا کہ دفعہ 368 میں ذکر ہے۔	عام قانون کی مانند: پارلیمنٹ میں سادہ اکثریت: جیسا کہ بعض دفعات میں ذکر ہے۔

آئین میں ایسی بہت سی دفعات ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان میں پارلیمنٹ کے ایک عام قانون کے ذریعہ آسانی سے ترمیم کی جاسکتی ہے۔ ایسے معالات میں ترمیم کے کسی مخصوص طریقہ کی ضرورت نہیں ہے اور ایسے عام قانون اور ترمیم کے درمیان کوئی فرق بھی نہیں۔ آئین کے یہ حصے لچک دار ہیں۔ ذیل میں آئین کے متن سے کچھ دفعات کا غور سے مطالعہ کیجیے۔ ان دونوں دفعات میں دفعہ 368 میں دیے گئے طریقہ کار کو اپنائے بغیر بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ آئین کی بہت سی دوسری دفعات کو سادہ طریقہ سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

دفعہ 2: پارلیمنٹ قانون کے ذریعہ --- جدید ریاستوں کو یونین میں داخل کر سکے گی۔

دفعہ 3: پارلیمنٹ قانون کے ذریعہ--- (b) کسی ریاست کے رقبہ کو بڑھا سکے گی۔

اگر ریاستیں کوئی ترمیم چاھتی ھیں تو کیا ھوگا؟ کیا وہ ترمیم کی تجویز پیش نھیں کر سکتیں؟ میرا خیال ھے کہ ریاستوں کے خلاف مرکز کی طرفداری میں یہ دوسری مثال ھے۔

آئین کے باقی ماندہ حصوں کی ترمیم کے لیے دفعہ 368 میں اہتمام کیا گیا ہے۔ اس میں آئین کی ترمیم کے دو طریقے دیئے گئے ہیں اور وہ آئین کی دو مختلف قسم کی دفعات پر نافذ ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی خاص اکثریت کے ذریعہ ترمیم کی جاسکتی ہے۔ دوسرا طریقہ زیادہ مشکل ہے: اس میں پارلیمنٹ کی خاص اکثریت اور نصف ریاستوں کی مجالس قانون ساز کی حمایت ضروری ہے۔ یہاں غور کیجیے کہ آئین میں ترمیم کی تمام کارروائیاں پارلیمنٹ میں ہی ہوں گی۔

اس کے علاوہ پارلیمنٹ کی مخصوص اکثریت کے علاوہ کوئی بھی باہری ادارہ جیسے، آئینی کمیشن یا علاحدہ انجمن آئین میں ترمیم نہیں کر سکتے۔

اسی طرح پارلیمنٹ میں کارروائی کے بعد اور بعض معاملات میں ریاستی مجالس قانون ساز میں منظور ہونے کے بعد ترمیم کی تصدیق کے لیے کسی ریفرینڈم (رائے شماری) کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دوسرے تمام مسودوں کی مانند ترمیم کا مسودہ بھی صدر جمہوریہ کے پاس منظوری کے لیے جاتا ہے لیکن اس معاملہ میں صدر کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ایسے مسودہ کو نظر ثانی کے لیے واپس پارلیمنٹ کو بھیج سکے۔ یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ ترمیم کا عمل کس قدر مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ ہمارا آئین ایسی پیچیدگیوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ یہ ترمیم کے طریقہ کو آسان بناتا ہے۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس عمل کے پس پردہ ایک اہم اصول ہے : صرف عوام کے منتخب نمائندے ترمیم کے سوال پر فیصلہ لے سکتے ہیں۔ لہٰذا منتخبہ نمائندوں کا اقتدار (پارلیمانی اقتدار) ترمیم کے طریقہ کی بنیاد ہے۔

مخصوص اکثریت

انتخابات، عاملہ اور عدلیہ کے ابواب میں ہمیں ان دفعات کا علم ہوا جن میں مخصوص اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخصوص اکثریت کیا ہے؟ آیئے پھر دہرائیں۔ عام طور پر مجلس قانون ساز میں کسی تحریک، مسودہ یا بل یا تجویز کے لیے، ایوان میں اس وقت موجود ممبران کی سادہ اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرض کیجیے: ووٹنگ کے وقت، ایوان میں 247 ممبران موجود تھے۔ لیکن ترمیم کے مسودہ پر ایسا نہیں ہوتا۔ آئین میں ترمیم کے لیے دو قسم کی مخصوص اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے: اول ترمیم کی حمایت کرنے والے ممبران کی تعداد ایوان کے کل ممبران کی کم از کم نصف ہونی چاہیے۔ دوسرے ترمیم کے حق میں ووٹ ڈالنے والے ممبران کی تعداد ووٹ ڈالنے والے کل ممبران کا دو تہائی ہونا چاہیے۔ اسی طریقہ سے دونوں ایوان اس ترمیمی بل کو علاحدہ علاحدہ پاس کریں گے۔ (مشترکہ اجلاس کے لیے کوئی قانون نہیں ہے) ہر ترمیمی بل کے لیے مخصوص اکثریت کی ضرورت ہوگی۔

کیا آپ اس ضروری شرط کی اہمیت کو سمجھتے ہیں؟ لوک سبھا میں کل 545 ممبران ہیں۔ لہٰذا ایک ترمیمی بل کے لیے 273 ممبران کی حمایت ضروری ہے۔ اگر ووٹنگ کے وقت صرف 300 ممبران حاضر ہیں تو ان میں سے 273 ممبران کی حمایت حاصل ہونا ضروری ہے۔ لیکن تصور کیجیے کہ لوک سبھا کے 400 ممبران نے ترمیمی بل پر ووٹ دیا تو اس بل کو منظور کرنے کے لیے کتنے ممبران کی حمایت کی ضرورت ہوگی؟

مزید یہ کہ دونوں ایوانوں کو مخصوص اکثریت کے ساتھ اس ترمیمی بل کو منظور کرنا ہوگا۔ اس کے معنی ہیں کہ

جب تک مجوزہ ترمیم پر کافی رائے عامہ نہ ہو یہ منظور نہیں ہوسکتا۔

جدید ترین آئین میں ترمیم کے مختلف طریقوں میں دو اصول غالب نظر آتے ہیں:

◈ ایک اصول مخصوص اکثریت کا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ، جنوبی افریقہ اور روس وغیرہ نے یہ اصول اختیار کیا ہے: امریکہ آئین کے معاملہ میں دوتہائی اکثریت کی شرط ہے، جنوبی افریقہ اور روس کے معاملہ میں بعض ترمیمات کے لیے تین چوتھائی اکثریت کی ضرورت ہے۔

◈ دوسرا اصول جو دنیا کے بہت سے آئین میں مقبول ہے وہ ہے : آئینی ترمیم کے عمل میں عوام کی شرکت۔ سوئزر لینڈ میں عوام ترمیم کی پہل بھی کرسکتے ہیں۔ دوسرے ممالک کی مثالیں بھی ہیں جہاں عوام آئین میں ترمیم کی پہل کرسکتے ہیں یا ان کی تصدیق کرتے ہیں جیسے روس، اٹلی اور دوسرے ممالک۔

میں اس مخصوص اکثریت کے نام سے اکتا گیا ہوں۔ یہ ہمیشہ ہی آپ کو مشکل حساب کتاب میں الجھاتا ہے ۔ کیا یہ سیاست ہے یا حساب (ریاضی)؟

اگر حکمراں جماعت کو بہت کم اکثریت حاصل ہے تو یہ اپنی مرضی کے مطابق قانون پاس کرسکتی ہے اور بجٹ منظور کراسکتی ہے خواہ مخالف جماعت اس کو نامنظور کردے۔ لیکن اگر اسے آئین میں ترمیم کرنا ہے تو مخالف جماعتوں کو اعتماد میں لینا ہوگا۔ چنانچہ ترمیم کے طریقہ کے پس منظر میں بنیادی اصول

ڈاکٹر امبیڈکر
CAD, Vol. XI, p.976

’’جو آئین سے مطمئن نہیں ہیں انہیں صرف دوتہائی اکثریت کی ضرورت ہے۔ اگر وہ یہ بھی حاصل نہ کرسکیں تو آئین سے ان کی غیر اطمینانی کو عام لوگوں کی حمایت ملنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

غور کیجیے کہ ڈاکٹر امبیڈکر یہاں صرف مخصوص اکثریت کی بات نہیں کررہے ہیں۔ ’’وہ عوام کے ذریعہ خیالات کی حمایت کا حوالہ دے رہے ہیں۔‘‘ اس بات کا اشارہ ہے کہ اکثریت کے پس پردہ رائے عامہ کا اصول ہے جو فیصلہ سازی پر حکمرانی کرتا ہے۔

یہ ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں اور پارلیمانی ماہرین کی رائے اس کے حق میں ہونی چاہیے۔

ریاستوں کے ذریعے توثیق

آئین کی بعض دفعات کے لیے، مخصوص اکثریت کافی نہیں۔ مرکزی حکومت اور ریاستوں کے مابین اختیارات کی تقسیم سے متعلق کسی دفعہ میں ترمیم کے ذریعہ تبدیلی یا نمائندگی سے متعلق دفعات میں ترمیم مقصود ہو تو یہ لازمی ہوجاتا ہے کہ ریاستوں سے مشورہ کیا جائے اور ان کی رائے حاصل کی جائے۔ ہم نے آئین کی وفاقی نوعیت کا مطالعہ کیا۔ وفاقیت کے معنی ہیں کہ ریاستوں کے اختیارات کو مرکزی حکومت کے رحم وکرم پر چھوڑنا نہیں چاہیے۔؟ آئین نے اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ کسی ترمیم کو نافذ کرنے کے لیے نصف ریاستوں کی مجالس قانون ساز کی منظوری ضروری ہے۔ وفاقی ڈھانچہ سے متعلق دفعات کے علاوہ بنیادی حقوق سے متعلق دفعات کا بھی اسی طرح تحفظ کیا گیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آئین کے بعض حصوں کے لیے مملکت میں زیادہ یا وسیع تر اتفاق رائے ضروری ہے۔ یہ دفعہ آئین کی ترمیم میں ریاستوں کی حصہ داری کا بھی احترام کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ احتیاط روا رکھی گئی ہے کہ اپنی جامد ترین شکل میں بھی یہ طریقہ لچک دار رہے صرف نصف ریاستوں کا اتفاق رائے شرط ہے اور ریاستی مجلس قانون ساز کی سادہ اکثریت کافی ہے۔ لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے بھی کہ ضابطہ سخت ہے، ترمیم کا طریقہ نا قابلِ عمل نہیں ہے۔

ہم مختصر طور پر کہہ سکتے ہیں کہ آئین ہند میں بڑے پیمانہ پر اتفاق رائے اور ریاستوں کی محدود شرکت سے ترمیم ہوسکتی ہے۔ واضعان قانون نے مکمل احتیاط کی ہے کہ آئین کو آسانی سے ہاتھ نہ لگایا جا سکے۔ پھر بھی آنے والی نسلوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ وقت کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق آئین میں ترمیم وتبدیلی لا سکیں۔

اپنی معلومات چیک کیجیے

آئین ہند میں درج ذیل ترمیمات کے لیے کن حالات کا ہونا شرط ہے؟ جہاں بھی وہ قابلِ اطلاق ہو چارٹ میں نشان لگائیے۔

ترمیم کا موضوع	مخصوص اکثریت	ریاستوں کے ذریعہ توثیق
شہریت کی دفعہ		
حقِ آزادیٔ مذہب		انتخابی کمیشن سے متعلق دفعہ
یونین لسٹ میں تبدیلی		
ریاستی سرحدوں میں تبدیلی		

اتنی بہت سی ترمیمات کیوں ہوئی ہیں؟

26 جنوری 2006 کو آئین ہند نے اپنے وجود کے 56 سال مکمل کئے۔ ان چھپن سالوں میں اس میں 93 ترمیمات ہوئیں۔ آئین میں ترمیم کے قدرے مشکل طریقہ کے باوجود ترمیمات کی تعداد کافی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ آیے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اتنی بہت سی ترمیمات کیسے ہوئیں اور اس کے کیا معنی ہیں؟

آیئے پہلے ہم ترمیمات کی مختصر تاریخ پر نظر ڈالیں۔ درج ذیل گراف پر غور کریں۔ وہی اطلاع اس میں دو مختلف طریقوں سے دی گئی ہے۔ پہلا گراف ظاہر کرتا ہے کہ ہر دس سال میں کتنی ترمیمات ہوئیں۔ اس دور میں ہونے والی ترمیمات کی نشاندہی دی گئی پٹّی کرتی ہے۔ دوسرا گراف یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر دس ترمیمات کے ہونے میں کتنا وقت لگا۔ یہ پٹی دکھاتی ہے کہ کس کس سال میں ترمیمات ہوئیں۔ آپ دیکھیں گے کہ 1970 سے 1990 کی دو دہائیوں کے دوران سب سے زیادہ ترمیمات ہوئیں۔ دوسری جانب دوسرا گراف ایک اور کہانی کہتا ہے: 1974 سے 1976 کے دوران صرف تین سال کے مختصر عرصہ میں دس ترمیمات ہوئیں۔ پھر دوبارہ، 2001 سے 2003 کے درمیان دس ترمیمات ہوئیں۔ ہمارے ملک کی سیاسی تاریخ میں یہ دو دور کافی مختلف نظر آتے ہیں۔ پہلا دور کانگریس کے غلبہ کا تھا۔ کانگریس کو پارلیمنٹ میں وسیع اکثریت حاصل تھی (352 نشستیں لوک سبھا میں اور متعدد ریاستی مجالس قانون ساز میں اکثریت)۔ دوسری جانب 2001 سے 2003 کا مخلوط حکومت کا دور تھا۔ یہ وہ زمانہ بھی تھا جب مختلف ریاستوں میں مختلف جماعتیں اقتدار میں تھیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی (BJP) اور اس کی مخالف جماعتوں کے درمیان تلخ رقابت اس

ہمارے آئین میں اتنی ترمیمات کیوں کی گئی ہیں؟ کیا ہمارے سماج یا ہمارے آئین میں کوئی خامی ہے؟
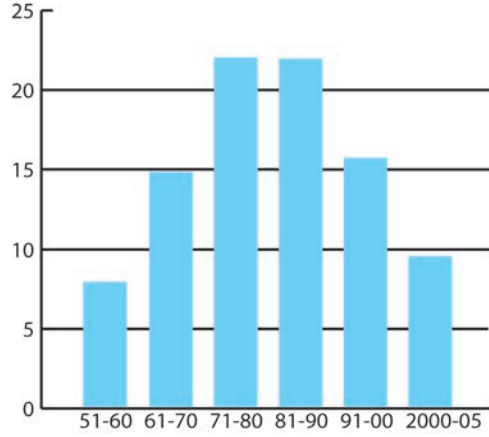
GRAPH- 1
ترمیمات: ایک دہائی میں

GRAPH -2
ہر دس ترمیموں کے لیے لگنے والے سال۔

دور کا خاص پہلو تھا۔ پھر بھی اس دور ان صرف تین سال میں دس ترمیمات ہوئیں۔ اس لیے ترمیمات کا وقوع صرف حکمراں جماعت کی اکثریت کی نوعیت پر منحصر نہیں ہوتا۔

ترمیمات کی تعداد سے متعلق ہمیشہ تنقید ہوئی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ آئین ہند میں بہت زیادہ ترمیمات ہوئی ہیں۔ ظاہری صورت کے لحاظ سے پچپن سال میں 93 ترمیمات کا ہونا کافی عجیب لگتا ہے۔ لیکن درج بالا دونوں گراف ظاہر کرتے ہیں کہ ترمیمات محض سیاسی حالات کی وجہ سے نہیں ہوئیں۔ آئین کی شروعات کی پہلی دہائی کو چھوڑ کر ہر دہائی نے ترمیمات کی افراط دیکھی۔ اس کے معنی ہیں: سیاست کی نوعیت اور حکمراں

جماعت کا لحاظ کئے بغیر ترمیمات وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہیں۔کیا یہ اصلی آئین کی خامی کی وجہ سے ہوا؟ کیا آئین بہت زیادہ لچک دار ہے؟

اب تک کی ترمیمات کا مواد

اب تک کی گئی ترمیمات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے میں وہ ترمیمات ہیں جو تکنیکی یا انتظامی نوعیت کی ہیں۔ان کے ذریعہ اصلی دفعات میں معمولی تبدیلیاں،تفصیلات، تشریحات وغیرہ لائی گئیں۔یہ قانونی زبان میں ترمیمات ہیں لیکن حقیقت میں ان سے اصلی دفعات میں کوئی خاص فرق نہیں ہوا۔

یہ بات اس ترمیم کے متعلق سچ ہے جس نے ہائی کورٹ کے جج کی سبکدوشی کی عمر 60 سے 62 کردی (15 ویں ترمیم)۔اسی طرح ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کی تنخواہیں ایک ترمیم (55 ویں ترمیم) کے ذریعہ بڑھائی گئیں۔

یہاں مجالس قانون ساز میں درج فہرست ذتوں اور قبائل کے لیے نشستیں محفوظ کرنے سے متعلق دفعہ کی مثال پیش کرسکتے ہیں۔اصلی میں دفعہ میں کہا گیا تھا کہ یہ تحفظ دس سال کے لیے ہوگا۔البتہ ان طبقات کو مناسب نمائندگی دینے کی غرض سے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس مدت کو مزید دس سال کے لیے بڑھا دیا جائے۔

چنانچہ ہر دس سال بعد ایک ترمیم کے ذریعہ اس سہولت کو پھر اگلے دس سال کے لیے بڑھا دیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں اب تک پانچ ترمیمات ہوچکی ہیں۔لیکن ان ترمیمات سے اصل دفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔اس معنی میں یہ صرف ایک تکنیکی ترمیم ہے۔

کیا آپ کو یاد ہے باب چہارم میں ہم نے صدر کے رول پر بحث کی تھی؟ آئین کے اصلی متن میں یہ فرق کیا گیا تھا کہ ہماری پارلیمانی حکومت میں صدر جمہوریہ عام طور پر وزرا کی کونسل کے مشورہ کو تسلیم کرے گا۔بعد میں کی گئی ایک ترمیم کے ذریعہ اس کو محض دوہرایا گیا جب دفعہ (1) 74 میں ترمیم کے ذریعہ وضاحت کی گئی کہ صدر جمہوریہ وزرا کی کونسل کے مشورہ پر پابند ہوگا۔(یعنی صدر جمہوریہ وزرا کی کونسل کے مشورہ کے مطابق عمل کرے گا)۔حقیقت میں اس

ہاں، میرا خیال ہے کہ ہمیں ترمیمات کی تعداد کی بجائے تبدیلیوں کو دیکھنا چاہئے۔ علم سیاسیات کے طالب علم کی حیثیت سے ہمیں یہی کرنا چاہئے۔

ترمیم سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا، کیوں کہ ٹھیک ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ یہ ترمیم صرف توضیح کے طور پر کی گئی۔

توجیہات میں اختلاف

بہت سی ترمیمات ان مختلف تشریحات کا نتیجہ ہیں جو عدلیہ اور اس وقت کی حکومت نے آئین سے متعلق دیں۔ جب ان کے درمیان ٹکراؤ ہوا تو پارلیمنٹ کو ان میں سے ایک تشریح کو مصدقہ بنانے کے لیے آئین میں ترمیم کرنی پڑی۔ یہ جمہوری سیاست کا ایک حصہ ہے کہ مختلف ادارے وسعت سے متعلق آئین کی تشریح کرتے ہیں خاص طور پر مختلف طریقوں سے اپنے اختیارات کی۔ اکثر عدلیہ کی تشریحات کے ساتھ پارلیمنٹ نے اتفاق نہیں کیا۔ لہٰذا عدلیہ کے حکم پر بالا دستی حاصل کرنے کے لیے آئین میں ترمیم کرنی پڑی۔ 1970 اور 1975 کے درمیان ایسے حالات بارہا پیش آئے۔

عدلیہ سے متعلق باب میں آپ نے عدلیہ اور پارلیمنٹ کے درمیان اختلافی امور کا مطالعہ کیا۔ ان میں سے ایک بنیادی حقوق اور رہنما اصولوں کے درمیان تعلق کا تھا۔ دوسرا نجی جائیداد کے حق کی وسعت کے بارے میں اور تیسرا آئین میں ترمیم کے لیے پارلیمنٹ کے اختیارات کی حد سے متعلق۔ 75-1970 کے دور میں پارلیمنٹ نے بار بار ایسی ترمیمات منظور کیں جن کے ذریعہ عدلیہ کی غلط تشریحات پر بالا دستی لائی گئی۔

یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اس دور میں (1970 سے 1975) سے بہت سے سیاسی واقعات پیش آئے۔ ترقی کی اس تاریخ کو صرف اس دور کی سیاست کے پس منظر میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان امور کے بارے میں آپ مزید معلومات اگلے سال حاصل کر سکیں گے جب آپ آزاد ہندوستان کی سیاسی تاریخ پڑھیں گے۔

میں اب بھی کشمکش میں ہوں۔ اگر ایک تحریری آئین ہے تو مختلف تشریحات کی کیا گنجائش ہے؟ یا لوگ اپنی مرضی کے مطابق، آئین کے معنی لیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق رائے کے ذریعہ ترمیمات

تیسرے حصہ میں ترمیمات کا وہ بڑا حصہ آتا ہے جو سیاسی جماعتوں کے درمیان اتفاق رائے

سے منظور ہوئیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسی اتفاق رائے سے یہ ممکن ہو سکا کہ معاشرہ کی توقعات اور موجودہ سیاسی فلسفہ کی عکاسی کے لیے مناسب تبدیلیاں لائی جا سکیں۔ حقیقت میں 1984 کے دور کے بعد بہت سی ترمیمات اسی رجحان کی عکاس ہیں۔ ہماری وہ خاص بات یاد کیجیے جس میں ہم نے سوال پوچھا تھا کہ اس دور میں اتنی تعداد میں ترمیمات کیوں ہوئیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی ترمیمات کی بنیاد وہ اتفاق رائے تھا جو بعض امور پر آہستہ آہستہ وجود میں آیا۔ انحراف مخالف ترمیم (Anti-Defection Bill) (52ویں ترمیم) سے شروع کرتے ہوئے اس زمانے میں تمام سیاسی شورشوں کے باوجود ترمیمات کا ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔

انحرف مخالف ترمیمات (52ویں اور 91ویں) کے علاوہ ان ترمیمات میں 61ویں ترمیم ووٹنگ کی عمر 21 سال سے کم کر کے 18 سال منظور کرنے کی ترمیم نیز 73ویں اور 74ویں ترمیمیں بھی شامل ہیں۔ اسی دور میں کچھ ایسی ترمیمیں ہوئیں جن کے ذریعہ ملازمتوں اور داخلوں میں تحفظات کے دائرہ کو بڑھایا گیا اور زیادہ واضح کیا گیا۔ 1992 اور 1993 کے بعد ان اقدامات سے متعلق پورے ملک میں اتفاق رائے اُبھرا۔ لہٰذا، ان سے متعلق ترمیمیں بغیر کسی دشواری کے منظور ہو گئیں (77ویں، 81ویں اور 82ویں ترمیمات)۔

گویا، سیاست داں بھی بعض معاملات پر اتفاق کرتے ہیں! پھر بھی وہ ان مدعوں پر جھگڑتے ہیں جن ر خود انھوں نے اتفاق کیا تھا۔

متنازع ترمیمات

اب تک کی گئی بحث سے یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ آئین میں ترمیم کے مسئلہ پر کبھی کوئی تنازعہ نہیں رہا۔ حقیقت میں، 1970 اور 1980 کے درمیان کافی قانونی اور سیاسی تنازعے پیدا ہوئے۔ 1975 سے 1976 کے درمیان مخالف جماعتوں نے ان بہت سی ترمیمات کو، حکمراں جماعت کے ذریعہ آئین کی تخریب کاری کی کوشش قرار دیا۔ خاص طور پر 38ویں، 39ویں اور 42ویں ترمیمات اب تک کی سب سے زیادہ متنازع ترمیمات رہی ہیں۔ یہ تین ترمیمات اس پس منظر میں کی گئیں جب 1975 جون سے ملک میں اندرونی ناگہانی حالات کا اعلان کیا گیا۔ ان کے ذریعہ آئین کے اہم ترین حصوں میں بنیادی تبدیلیاں

لانے کی کوشش کی گئی۔

42ویں ترمیم کو خاص طور سے ایک وسیع تر ترمیم کے طور پر دیکھا جانا چاہئے جس کے ذریعہ آئین کے وسیع حصوں پر اثر پڑا۔ یہ ایک کوشش تھی جس کے ذریعہ کیشونند کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کو ٹھکرایا گیا۔ یہاں تک کہ لوک سبھا کی مدت پانچ سال سے چھ سال کر دی گئی۔حقوق کے باب میں آپ نے بنیادی فرائض کا مطالعہ کیا۔ یہ اضافہ آئین میں اسی ترمیم کے ذریعہ کیا گیا تھا۔42ویں ترمیم نے عدلیہ کے نظر ثانی کے اختیارات پر بھی بندشیں لگادی تھیں۔

گویا، یہ سب سیاست ہے۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آئین اور ترمیمات کا یہ سب معاملہ قانون کی بجائے سیاست سے جڑا ہوا ہے؟

اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ اس ترمیم کے ذریعہ آئین کو عملی طور پر دوبارہ تحریر کیا جا رہا تھا۔کیا آپ جانتے ہیں کہ اس ترمیم کے ذریعہ آئین کی تمہید (Preamble) آئین کے ساتویں شیڈول اور آئین کی 53 دفعات میں تبدیلیاں کی گئیں؟ جب یہ ترمیم پارلیمنٹ نے منظور کیں اس وقت مخالف جماعتوں کے بہت سے ممبران پارلیمنٹ جیل میں تھے۔اس پس منظر میں 1977 میں انتخاب ہوئے اور حکمراں جماعت (کانگریس) کو شکست ہوئی۔ نئی حکومت نے ضروری سمجھا کہ ان ترمیمات پر نظر ثانی کی جائے چنانچہ 43ویں و 44 ترمیمات کے ذریعہ ان تمام تبدیلیوں کو رد کر دیا گیا جو 38، 39 اور 42ویں ترمیمات کے ذریعہ کی گئی تھیں۔ان ترمیمات کے ذریعہ آئینی توازن بحال کیا گیا۔

سرگرمی

حق تعلیم سے متعلق ترمیم تلاش کیجئے۔آپ کے خیال میں، اس ترمیم کی کیا اہمیت ہے؟

آ ئین کا بنیادی ڈھانچہ اور ارتقا

ایک چیز جس کا آ ئین ہند کے ارتقا پر دیر پا اثر ہوا ہے وہ آ ئین کے بنیادی ڈھانچہ کا نظریہ ہے۔آپ جانتے ہی ہیں کہ عدلیہ نے یہ نظریہ مشہور کیشونند بھارتی کیس میں پیش کیا تھا۔اس فیصلہ نے درج ذیل طریقوں سے آ ئین ہند کے ارتقا میں معاونت کی ہے:

- اس فیصلے نے آ ئین میں ترمیم کے بارے میں پارلیمنٹ کے اختیارات کی ایک حد قائم کردی ہے۔اس فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ کوئی بھی ترمیم آ ئین کے بنیادی ڈھانچہ کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی۔
- یہ پارلیمنٹ کو اجازت دیتا ہے کہ وہ آ ئین کے کسی بھی حصہ میں ترمیم کرسکتی ہے(اسی حد کے اندر)
- یہ عدلیہ کو یہ طے کرنے کا آخری اختیار دیتا ہے کہ کوئی ترمیم آ ئین کے بنیادی ڈھانچہ کی خلاف ورزی تو نہیں کرتی۔

کیشونند بھارتی کیس میں سپریم کورٹ نے 1973 میں فیصلہ دیا تھا۔پچھلی تین دہائیوں میں یہ فیصلہ آ ئین کی تمام تشریحات پر حاوی رہا اور ملک میں تمام اداروں نے آ ئین کے بنیادی ڈھانچے کے نظریہ کو تسلیم کیا۔حقیقت میں بنیادی ڈھانچہ کا نظریہ بذات خود ایک زندہ دستاویز کی مثال ہے۔یہ عدالتی تشریحات سے ابھرا ہے۔گویا عدلیہ اور اس کی تشریحات نے بغیر کسی رسمی ترمیم کے عملاً آ ئین میں ترمیم کردی ہے۔

واہ! تو یہ عدلیہ ہے جس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہ! کیا یہ بھی عدالتی مستعدی ہے؟

اسی طریقہ سے، بحث ومباحثہ، دلائل، مقابلہ اور عملی سیاست کے ذریعہ زندہ دستاویزات ارتقا پذیر رہتی ہیں۔1973 سے عدالت نے بہت سے معاملات میں بنیادی ڈھانچہ کے اس نظریہ کو واضح کیا ہے۔اور ایسی مثالیں دی ہیں جو آ ئین ہند کے بنیادی ڈھانچہ کا حصہ بن گئی ہیں۔ایک معنی میں بنیادی ڈھانچہ کے نظریہ نے جمود اور لچک کے درمیان توازن کو مضبوطی عطا کی ہے۔یہ کہتے ہوئے کہ کچھ حصوں کو ترمیم نہیں کیا جاسکتا اس نے جمود کا راستہ اختیار کیا اور دوسرے حصوں کی ترمیم کی اجازت دیتے ہوئے ترمیمی عمل کی لچک کو اجاگر کیا ہے۔

آ ئین پرنظرِ ثانی

نوّے کی دہائی کے آخر میں پورے آ ئین پرنظر ثانی کی کوشش کی گئی۔ 2000 میں سپریم کورٹ کے سبکدوش چیف جسٹس۔ وینکٹ چلیّا کی سربراہی میں حکومت ہند نے ایک کمیشن کی تشکیل آ ئین کی کارکردگی پر نظر ثانی کے مقصد سے کی۔ مخالف جماعتوں اور دوسری تنظیموں نے کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ جب اس کمیشن کے متعلق کافی سیاسی تنازعہ اٹھ رہا تھا کمیشن آ ئین کے بنیادی ڈھانچہ کے نظریہ پر قائم رہا اور ایسے کسی اقدام کی سفارش نہیں کی جو آئین کے بنیادی ڈھانچہ کو نقصان پہنچاتا۔ ہمارے آ ئینی کام کاج میں یہ چیز بنیادی ڈھانچہ کے نظریہ کی اہمیت ظاہر کرتی ہے۔

یہ سب غلط ہے۔ پہلے وہ کہتے ہیں کہ ترمیم کے لئے اتفاق رائے ہونا ضروری ہے اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ جج، آئین کے سارے معنوں کو ہی بدل دیتے ہیں۔

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کہ کس طرح عدلیہ نے آ ئین کےتئیں ہماری سمجھ کوتشریحات کے ذریعہ تبدیل کیا ہے۔ بہت سے فیصلوں میں سپریم کورٹ ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں پچاس فیصد سے زیادہ ریزرویشن نہ ہونے دینے کے اپنے فیصلہ پر قائم رہا۔ یہ اب ایک تسلیم شدہ اصول ہے۔

اسی طرح دوسرے پس ماندہ طبقوں کے لیے ریزرویشن کے سوال پر سپریم کورٹ نے متمول طبقے کے استثنا کا تصور دیا اور فیصلہ دیا کہ ان طبقوں کے لوگوں کے لیے ریزرویشن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح حق تعلیم، حق زندگی وآزادی اور اپنے اقلیتی تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کے حق سے متعلق بہت سی دفعات کی تشریحات کے ذریعے غیر رسمی ترمیمات میں معاونت کی

ہے۔ یہ ایسی مثالیں ہیں کہ کس طرح عدالت کے فیصلے آئین کے فروغ وارتقا میں مدد دیتے ہیں۔

اپنی معلومات چیک کیجئے

بتائیے کیا درج ذیل بیانات صحیح ہیں یا غلط:

- بنیادی ڈھانچہ سے متعلق فیصلہ کے بعد پارلیمنٹ کو آئین میں ترمیم کا حق حاصل نہیں رہا۔
- سپریم کورٹ نے ہمارے آئین کے بنیادی پہلوؤں کی واضح فہرست دے دی ہے جس میں ترمیم نہیں کی جاسکتی۔
- عدلیہ کو اختیار حاصل ہے کہ کوئی ترمیم بنیادی ڈھانچہ کے خلاف ہے یا نہیں۔
- کیشو نند بھارتی کیس نے پارلیمنٹ کے آئین میں ترمیم کے اختیارات پر بندشیں لگادی ہیں۔

آئین بحیثیت ایک زندہ دستاویز

ہم نے اپنے آئین کو ایک زندہ دستاویز کی حیثیت دی ہے۔اس کے کیا معنی ہیں؟ کسی بھی زندہ چیز کی مانند تقریباً یہ دستاویز بھی حالات اور ضروریات کے تئیں وقتاً فوقتاً اپنا ردّعمل ظاہر کرتی ہے۔ ایک زندہ ہستی کی طرح آئین تجربات کے تئیں ردّعمل ظاہر کرتا ہے۔حقیقت میں یہ اس معمہ کا حل ہے جس کا ذکر ہم نے شروع میں ہی آئین کے پائیدار ہونے سے متعلق کیا تھا۔معاشرہ میں اتنی ساری تبدیلیوں کے باوجود آئین کامیابی سے قابل عمل کیوں ہے کہ اس کے اندر تحریک ہے، تشریحات کے لیے کھلا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالنے کی اس میں صلاحیت ہے۔ یہ ایک جمہوری آئین کی نشانی ہے۔ جمہوریت میں عمل اور خیالات وقت کے ساتھ ساتھ ترقی پاتے ہیں اور انہیں کے مطابق معاشرہ تجربے کرتا ہے۔کوئی آئین جو جمہوریت کی حفاظت کرتا ہے اور پھر ترقی و نشو ونما کی اجازت دیتا ہے وہ نہ صرف پائیدار ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے شہریوں سے احترام بھی حاصل کرتا ہے۔اہم

نکتہ یہ ہے کہ کیا آئین اپنی حفاظت اور جمہوریت کی حفاظت کرنے کے قابل ہے؟

گذشتہ پچاس سالوں میں بہت سی ایسی نازک صورتیں ملک کی سیاست اور ترقی میں پیدا ہوئی ہیں۔ اس باب میں ان میں سے کچھ صورتوں سے متعلق ہم نے گفتگو کی ہے۔آئینی وقانونی امور کے معنی میں سب سے سنجیدہ سوال جو1950 سے بار بار سامنا آتا ہے وہ ہے پارلیمنٹ کی بالا دستی کا سوال۔کسی پارلیمانی جمہوریت میں پارلیمنٹ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔لہٰذا یہ توقع کی جاتی ہے کہ پارلیمنٹ عاملہ اور عدلیہ پر حاوی ہے۔اسی کے ساتھ آئین کا متن ہے جس نے حکومت کے دوسرے اعضا کو اختیارات دیئے ہیں۔لہٰذا اسی تناظر میں پارلیمنٹ کی بالا دستی کو باقی رہنا ہے۔جمہوریت محض عوام کے ووٹ اور ان کی نمائندگی کا نام نہیں ہے۔یہ قانون کی بالا دستی کے اصول کا بھی دوسرا نام ہے۔جمہوریت اداروں کے فروغ اور ان کی کارکردگی کا نام ہے۔تمام سیاسی ادارے عوام کے تئیں ذمہ دار ہیں اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ توازن قائم رکھنا ہے۔

مجھے معلوم ہو گیا! یہ سی۔سا (see saw) کی طرح ہے۔ یا کیا یہ ٹگ آف وار کا کھیل ہے؟

عدلیہ کی دین

عدلیہ اور پارلیمنٹ کے مابین تنازعہ کے دوران پارلیمنٹ نے غور کیا کہ اس کو غریبوں پس ماندہ طبقوں اور ضرورت مندوں کے مفادات کو فروغ دینے کے لیے قانون بنانے کی ذمہ داری اور اختیار حاصل ہے۔عدلیہ نے زور دیا کہ یہ سب کچھ آئین کے دائرہ میں ہونا چاہیے اور عوام کی حمایت میں کوئی بھی قانون قانونی طریقہ کار کو نظر انداز نہ کرے۔کیونکہ اگر بار بھی قانون کو نظر انداز کیا گیا خواہ وہ نیک نیتی کے ساتھ ہی ہو تب بھی صاحبان اقتدار کو ان اختیارات کا غلط استعمال کرنے کا موقع مل جائے گا اور جمہوریت کا تعلق اقتدار کے آمرانہ استعمال کو روکنے کے لیے بھی اتنا ہی ہے جتنا لوگوں کی فلاح و بہبود سے ہے۔

آئین ہند کی کامیابی اپنے کشیدہ حالات کو سلجھانے میں پوشیدہ ہے۔مشہور کیشونند بھارتی کیس میں عدلیہ کو یہ موقع مل گیا کہ کس طرح پیچیدہ حالات میں الفاظ کی بجائے روحانی حل

کا راستہ نکالا جا سکتا ہے۔ اگر آپ آئین کا مطالعہ کریں تو آپ کو آئین کے ''بنیادی ڈھانچہ'' کا کہیں ذکر نہیں ملے گا۔ کہیں بھی آئین یہ نہیں کہتا کہ فلاں فلاں حصے بنیادی ڈھانچہ کا حصہ ہیں۔ اس معنی میں ''بنیادی ڈھانچہ'' کا نظریہ عدلیہ کی ایجاد ہے۔ اس نے ایسی چیز کیسے ایجاد کی جس کا کوئی وجود نہیں؟ اور یہ کیسے ہوا کہ گذشتہ تین دہائیوں میں دوسرے تمام اداروں نے اس نظریہ کو تسلیم کر لیا۔

یہیں الفاظ اور روح کے درمیان امتیاز پوشیدہ ہے۔ عدالت اس نتیجہ پر پہونچی کہ کسی متن یا دستاویز کو پڑھتے وقت، ہمیں اس کے پس پردہ نیت کا احترام کرنا چاہیے۔ قانون کا محض متن ان سماجی حالات اور توقعات سے کم ہے جن کی وجہ سے کوئی قانون یا دستاویز تخلیق پاتی ہے۔ عدالت بنیادی ڈھانچہ کو اس نظر سے دیکھ رہی تھی جس کے بغیر آئین کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آئین کے متن یا الفاظ اور اس روح کے مابین توازن قائم کرنے کی ایک کوشش ہے۔

یقیناً، اگر حقوق نہ ہوں اور انتخابات نہ ہوں تو آئین کے کچھ معنی نہیں۔ اگر خوش حالی نہ ہو تو انتخابات اور حقوق کا کوئی مطلب نہیں۔ کیا ہم اس طرح آئین کی روح کو سمجھ سکتے ہیں

سیاسی قیادت کی پختگی

مندرجہ بالا پیرا گراف میں عدلیہ سے متعلق ہماری بحث ایک اور حقیقت ظاہر کرتی ہے۔ 1967 اور 1973 کے درمیان جو خوفناک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تو پارلیمنٹ اور عاملہ نے بھی محسوس کیا کہ ایک متوازن اور پائیدار نقطۂ نظر ضروری ہے۔ کیشو نند کیس میں عدلیہ کے فیصلہ کے بعد کچھ کوششیں کی گئیں کہ عدالت اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔ جب یہ کوششیں ناکام ہو گئیں تو 42 ویں ترمیم منظور کی گئی اور پارلیمنٹ کی بالا دستی کو برقرار رکھا گیا۔ لیکن اپنے منروا ملز کیس (1980) میں عدالت نے اپنے پرانے نقطۂ نظر کو دوہرایا۔ لہٰذا کیشو نند کیس کے فیصلہ کے تیس سال گزرنے کے بعد بھی وہ فیصلہ ہمارے آئین کی تشریح پر حاوی ہے۔ سیاسی جماعتوں، سیاسی سربراہوں، حکومت اور پارلیمنٹ نے ناقابل تردید بنیادی ڈھانچہ کے نظریہ کو تسلیم کیا ہے یہاں تک کہ جب آئین پر نظر ثانی کی بات ہوئی تو وہ کوشش بھی اس بنیادی ڈھانچہ کے

نظریہ کے خلاف نہ گئی۔

جب آئین بنایا گیا تو ہندوستان کے سربراہوں اور عوام کا بس ایک ہی خواب تھا۔ آزادی کے وقت نہرو نے اپنی مشہور تقریر میں اس خواب کو ہندوستان کی تقدیر کے طور پر تعبیر کیا۔ آئین ساز اسمبلی میں بھی تمام سربراہوں نے بھی اس وژن کا ذکر کیا۔ فرد کا وقار اور آزادی، معاشرتی اور اقتصادی مساوات، تمام عوام کی خوش حالی اور قومی ہم آہنگی پر مبنی وحدت۔ یہ وژن غائب نہیں ہوا ہے۔ اس کو عوام اور رہبران مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس وژن پر مبنی آئین نصف صدی کے بعد بھی احترام اور اقتدار کا موضوع ہے۔ ہمارا عوامی وژن جن بنیادی اقدار سے عبارت ہے وہ آج بھی سالم و ثابت ہے۔

ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ سیاسی ناپختگی کی بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ کیا ان کی فہرست کسی کے پاس ہے؟

آئین ساز اسمبلی میں بھی کچھ ممبران ایسے بھی تھے جو یہ محسوس کرتے تھے کہ یہ آئین ہندوستانی حالات کے مطابق نہیں ہے۔ ''وہ معیار۔۔۔۔جن پر یہ آئین تشکیل دیا گیا تھا ان سے ہندوستان کی روح کا کوئی اظہار نہیں ہوتا یہ آئین مناسب ثابت نہیں ہوگا اور عمل میں آتے ہی ٹوٹ کر بکھر جائے گا''

لکشمی نارائن ساہو، CAD Vol XI P-613

اختتام

اس بات پر اب بھی بحث ہوسکتی ہے کہ بنیادی ڈھانچہ کی تشکیل کون کرتا ہے۔ ایسی بحث میں کچھ برائی نہیں ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جمہوریت میں سیاست بحث ومباحثہ اور اختلافات سے بھرپور ہوتی ہے۔ یہ تنوع زندگی اور کھلے پن کی نشانی ہے۔ جمہوریت بحث ومباحثہ کا استقبال کرتی ہے۔ اسی کے ساتھ ہماری سیاسی جماعتوں اور قیادت نے ان مباحثوں کے دائرے محدود رکھنے میں پختگی دکھائی

ہے۔کیونکہ سیاست سمجھوتوں اور لینے اور دینے کا نام ہے۔انتہا پسندانہ خیالات نظری طور پر درست ہو سکتے ہیں اور بہت دلکش ہو سکتے ہیں لیکن سیاست کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے انتہا پسندانہ خیالات میں اعتدال پیدا کرے۔اپنے سیاسی موقف کو درست کرے اور کم سے کم مشترکہ موقف کو اپنائے ۔تب ہی جمہوری سیاست ممکن ہے۔سیاست دانوں اور ہندوستانی عوام نے اس ہنر کو سمجھ لیا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہیں ۔اس چیز نے جمہوری آئین کے عملی تجربہ کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔حکومت کے مختلف اعضا کے درمیان ہمیشہ اس بات پر مقابلہ آرائی رہے گی کہ کون دوسرے سے اہم ہے۔وہ اس بات پر بھی جھگڑیں گے کہ عوام کی فلاح کس میں ہے۔لیکن آخر کار تمام اقتدار عوام کے ہاتھوں میں رہے گا۔ عوام،ان کی آزادی اور ان کی فلاح جمہوریت کا مقصد ہیں اور جمہوری سیاست کا نتیجہ بھی۔

مشق

1۔ درج ذیل میں سے درست بیان کا انتخاب کیجیے۔

آئین میں وقتاً فوقتاً ترمیم کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ،

- ✓ حالات بدلتے ہیں اور انھیں کے مطابق آئین میں مناسب تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔
- ✓ ایک وقت میں تحریر کردہ آئین کچھ وقت کے بعد پرانا ہو جاتا ہے۔
- ✓ ہر نسل کو اپنی پسند کا آئین مرتب کرنا چاہیے۔
- ✓ اس میں موجودہ حکومت کے فلسفہ کا عکس نظر آنا چاہیے۔

2۔ درجہ ذیل بیانات صحیح ہیں یا غلط،نشان لگائیے:

(ا)صدر ترمیمی بل کو نظر ثانی کے لیے پارلیمنٹ کو واپس نہیں بھیج سکتا۔

(ب)منتخبہ امیدواروں کو ہی آئین میں ترمیم کرنے کا حق حاصل ہے۔

(ج) عدلیہ آئین میں ترمیم کی پہل نہیں کرسکتی لیکن مختلف طریقہ سے اس کی تشریح کے ذریعے آئین میں موثر تبدیلی لاسکتی ہے۔

(د) پارلیمنٹ آئین کے کسی بھی حصہ میں ترمیم کرسکتی ہے۔

3۔ درج ذیل میں سے کون آئین کی ترمیم میں شامل ہوتا ہے؟ یہ شمولیت کس طرح ہوتی ہے؟

(ا) انتخاب کنندگان (ب) صدر ہند (ج) ریاستی مجلس قانون ساز

(د) پارلیمنٹ (ہ) گورنرس (و) عدلیہ

4۔ آپ نے اس باب میں پڑھا کہ 42 ویں ترمیم اب تک کی سب سے زیادہ متنازعہ ترمیم تھی۔ اس تنازعہ کی درج ذیل میں سے کون سی وجوہات تھیں؟

(ا) یہ ترمیم قومی نا گہانی حالات میں کی گئی تھی اور نا گہانی حالات کا اعلان بذاتِ خود متنازع تھا۔

(ب) یہ مخصوص اکثریت کے بغیر کی گئی تھی۔

(ج) یہ ریاستی مجلس قانون ساز کی تصدیق کے بغیر کی گئی تھی۔

(د) اس میں ایسی دفعات شامل تھیں جو متنازع تھیں۔

5۔ مختلف ترمیمات پر مجلس قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان تنازعہ کے حوالے سے درج ذیل میں سے کون سی تشریح غیر مدلل ہے:

(ا) آئین کی مختلف تشریحات ممکن ہیں۔

(ب) جمہوریت میں مباحثے اور اختلافات قدرتی ہیں۔

(ج) آئین نے بعض قاعدوں اور اصولوں کو زیادہ اہمیت دی ہے اور مخصوص اکثریت سے ترمیم کی اجازت دی ہے۔

(د) مجلس قانون ساز کو شہریوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری نہیں دی جاسکتی۔

(ہ) عدلیہ کو صرف کسی مخصوص قانون کی آئینی حیثیت طے کرنے کا اختیار ہے لیکن وہ اس کی ضرورت سے متعلق سیاسی مباحثوں کو حل نہیں کرسکتی۔

6۔ بنیادی ڈھانچہ کے نظریہ سے متعلق درست بیانات کی شناخت کیجیے۔ غلط بیانات کو درست کیجیے:

(ا) آئین بنیادی اصولوں کی تصریح کرتا ہے۔

(ب) آئین کے تمام حصوں میں مجلس قانون ساز ترمیم کرسکتی ہے سوائے بنیادی ڈھانچہ کے۔

(ج) عدلیہ نے واضح کر دیا ہے کہ آئین کے کون سے پہلوؤں کو بنیادی ڈھانچہ قرار دیا جا سکتا ہے اور کون سے پہلوؤں کو نہیں۔

(د) اس نظریہ کا پہلا اظہار کشیونند بھارتی کیس میں ہوا اور بعد میں تمام فیصلوں میں اس پر بحث ہوئی۔

(ہ) اس نظریہ نے عدلیہ کے اختیارات میں اضافہ کیا ہے اور مختلف سیاسی جماعتوں اور حکومت نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

7۔ اس اطلاع سے کہ 2000 سے 2003 تک بہت سی ترمیمات ہوئیں آپ درج ذیل میں سے کیا نتیجہ اخذ کریں گے؟

(ا) اس دوران کی گئی ترمیمات میں عدلیہ نے کوئی دخل اندازی نہیں کی۔

(ب) اس دور میں ایک سیاسی جماعت کو مضبوط اکثریت حاصل تھی۔

(ج) بعض ترمیمات کی حمایت میں عوام کی طرف سے زبردست دباؤ تھا۔

(د) اس دور میں جماعتوں کے درمیان کوئی خاص اختلافات نہیں تھے۔

(ہ) ترمیمات کی نوعیت غیر متنازعہ تھی اور ترمیمات کے موضوع پر جماعتوں میں اتفاق تھا۔

8۔ آئین میں ترمیم کے لیے مخصوص اکثریت حاصل کرنے کی وجہ بتائیے۔

9۔ آئین ہند میں بہت سی ترمیمات عدلیہ اور پارلیمنٹ کے ذریعہ مختلف تشریحات کرنے کی وجہ سے ہوئیں۔ مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

10۔ اگر ترمیم کا اختیار نمائندوں کے پاس ہے تو عدلیہ کو اختیار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ان ترمیمات کی جانچ کرے۔ کیا آپ اتفاق کرتے ہیں؟ وجوہات کا بیان 100 الفاظ میں کیجیے۔